احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں صنفی تصادم

Gender Conflict in Short Stories of Ahmad Nadeem Qasmi

ڈاکٹر شاذیہ رزاق[i]　　جویریہ عبدالواحد[ii]

Abstract:

Ahmad Nadeem Qasmi is a major figure in contemporary Urdu literature. A famous poet, journalist, literary critic, dramatist and short story (Afsana) author. He edited several prominent literary journals, including Phool, Tehzeeb e naswaan, Adab e Lateef, savera, naqoosh and his own journal Funoon Qasmi's stories are steeped in social awareness, societal conflicts, class struggle, the human condition, and the dark side of progress. He highlights different social evils of his time as well as of modern era in his short stories in a different way. His fiction is full of variety, breadth and variety of themes. He was a philanthropist and a believer in human dignity. The most oppressed and miserable class among them is women, who is being exploited by various tricks and excuses. He conveys the message of tolerance, equality, and human dignity. bring peace and stability in the world. Through his fiction, the reader not only meets the people of society but also gets acquainted with the gender conflict arising out of the problems associated with them. The phenomena of God's duties upon man and human rights are presented in his short stories. The rights of parents, children, neighbours, and women, along with social rights and interreligious harmony, seem to be one of the major subjects of his fiction.

Keywords: *Ahmad Nadeem Qasmi, Poet, Phool, Funoon, Philanthropist, Gender Conflict, Harmony.*

احمد ندیم قاسمی ماضی قریب سے اردو ادب کی ایک اہم شخصیت ہیں۔ ایک مشہور شاعر، صحافی، ادبی نقاد، ڈرامہ نگار اور افسانہ نویس کے طور پر ان کی شہرت رہی ہے۔ انہوں نے کئی ممتاز ادبی جرائد کی مدیرت کی جن میں پھول، تہذیب نسواں، ادب لطیف، سویرا، نقوش اور ان کا اپنے جریدہ فنون شامل ہے۔ قاسمی کی کہانیاں سماجی بیداری، معاشرتی تنازعات، طبقاتی جدوجہد، انسانی حالت اور ترقی کا تاریک پہلو شامل ہیں۔ وہ اپنی مختصر کہانیوں میں اپنے زمانے کے ساتھ ساتھ جدید دور کی مختلف سماجی برائیوں کو بھی مختلف انداز میں اجاگر کرتے ہیں۔ ان کا افسانہ متنوع، وسیع اور مختلف موضوعات سے بھرپور رہا ہے۔ وہ ایک انسان دوست اور انسانی وقار پر یقین رکھنے والے انسان تھے۔ ان کے موضوعات کا محور سب سے مظلوم اور دکھی طبقہ یعنی خواتین ہیں جن کا مختلف چالوں اور حیلوں بہانوں سے استحصال کیا جاتا ہے۔ وہ دنیا میں امن و استحکام کے لیے رواداری، مساوات اور انسانی وقار کا پیغام دیتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے ذریعے قاری ناصرف معاشرے کے لوگوں سے ملتا ہے بلکہ ان سے جڑے مسائل سے پیدا ہونے والی صنفی کش مکش سے بھی واقف ہوتا ہے۔ انسان پر خدا کے فرائض اور انسانی حقوق کے مظاہر ان کی مختصر کہانیوں میں پیش کیے گئے ہیں۔ والدین، بچوں، پڑوسیوں، خواتین کے حقوق کے ساتھ سماجی حقوق اور بین المذاہب ہم آہنگی ان کے افسانوں کا ایک بڑا موضوع ہے۔ انھی سب پہلوؤں کو اجاگر کرنا اس مقالے کی غایت ہے۔

کلیدی الفاظ: احمد ندیم قاسمی، شاعر، پھول، فنون، انسان دوست، صنفی تصادم، ہم آہنگی۔

صنفی تصادم ترقی پذیر ایشیائی معاشروں میں ایک بڑے مسئلے کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ اس مسئلے کا حل ہی معاشرے میں امن اور خوشحالی کا ضامن ہے۔ ہمارے جیسے دیگر معاشروں میں زندگی کے بدلتے حالات کے تحت کہیں مرد عورت سے ٹکراتا ہے اور کہیں عورت مرد سے نبرد آزما ہے۔ آج کے اس

---

i اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی لاہور۔(Corresponding Author)

ii ایم -ایس ریسرچ سکالر، شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی لاہور۔

ترقی یافتہ دور میں بہت سے ادارے عالمی سطح پر اس مسئلے کے حل تلاش کرنے میں مصروف ہیں لیکن ابھی تک صد فیصد کامیابی ممکن نہیں ہو سکی۔ زندگی کی ترجمانی کرنے والا ادب اور ادیب بھی اس مسئلے کو اپنی تحریروں کا موضوع بناتے ہیں تاکہ کسی طرح اس تصادم کے اسباب نتائج اور اثرات کی تفہیم عوامی سطح پر ممکن ہو سکے اور اس کی شدت میں کمی لائی جا سکے۔ اس حوالے سے بیسویں صدی کے ایک بڑے افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا مطالعہ سود مند رہا۔

اگرچہ احمد ندیم قاسمی مختلف شعبہ ہائے فکر و ادب سے وابستہ رہے مگر ان کا خاص میدان افسانہ نگاری ہے جس میں ان کی فکر و نظر کی وسعت فکر و خیال کے اظہار کے لیے نے موضوعات کی اختراع و ایجاد اور قلم کی طاقت کا بھرپور اور بہترین استعمال دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے عصر حاضر کے انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سماجی، نفسیاتی، اقتصادی اور ترقی پسند نظریات کی روشنی میں پیش کیا۔

ان کے افسانوں کے ذریعے قاری کی معاشرے کے ان دیکھے افراد سے نہ صرف ملاقات ہوتی ہے بلکہ ان سے جڑے مسائل سے جنم لینے والے صنفی تصادم سے بھی آشنائی ہوتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں دیہات کی فضا اور ماحول کو پیش کرتے ہوئے دیہاتی زندگی اور دیہی رہن سہن کی بھرپور اور عمدہ تصویر کشی کی ہے امیر اور غریب کی زندگی کے فرق کو دیہاتی اور شہری زندگی کے تقابل سے اجاگر کیا ہے۔ ان کے ہاں مختلف جہات کا صنفی تصادم دکھائی دیتا ہے۔ غربت، بھوک، بیماری، ناخواندگی، بے روزگاری، نچلے طبقوں کا استحصال، امیروں کی عیاری، آسودہ اور باوسائل افراد کا جارحانہ اور جابرانہ رویہ، اجڑے گھروں اور ان کے باسیوں کی مفلوک الحالی اور خانہ ویرانی جیسے تمام مسائل میں صنفی تصادم کی عکاسی کی گئی ہے ان کے افسانوں میں شہری زندگی پر مشتمل افسانے غربت، فریب، جھوٹی شان و شوکت، ریاکاری اور تصنع سے بھرپور ہیں جن میں صنفی تصادم کے مختلف پہلوؤں کو بہترین انداز میں اجاگر کرنے کی عمدہ کاوش دکھائی دیتی ہے۔

اسلوب احمد انصاری، احمد ندیم قاسمی کے فن پر رائے زنی کرتے ہوئے ایک مضمون "احمد ندیم قاسمی اور اردو افسانہ" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ندیم قاسمی کے ہاں افسانوں میں متضاد رنگ ملتے ہیں اور ان کی تخلیق ایک عمل ارتقا سے بھی گزری ہے وہ کسی مخصوص فارمولے کو اپنا کر یا کسی نظریے کا پرچار کرنے کی خاطر

> افسانہ نہیں لکھتے۔ لیکن زندگی میں چاروں طرف جو ظلم اور ناانصافیاں، پریشانیاں اور محرومیاں بکھری ہوئی ہیں اور فطرت انسانی کے جو پیچ و خم ان کے تجربے کی زد میں آتے ہیں وہی انھیں تخلیق پر اکساتے ہیں۔[1]

احمد ندیم قاسمی نے ابتدا میں آزادانہ رویہ اختیار کیا بعد ازاں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھنا شروع کیا۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک افسانے اور پریم چند کی حقیقت پسند افسانے کی روایت کو بہ یک وقت استعمال کرتے ہوئے صنفی تصادم کی عکاسی کی۔

ان کے پہلے افسانوی مجموعے چوپال میں پنجاب کے دیہات اور دیہاتی سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں۔ اس افسانوی مجموعے کا پہلا افسانہ ''بے گناہ'' میں پنجاب کی جانی پہچانی دنیا دوزخ کا نمونہ بنتی دکھائی دیتی ہے۔ رحمان ان تمام کسانوں کی نمائندگی کرتا ہے جو ذیلدار کی گالی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے جس کے نتیجے میں ان کے کھیت آگ کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں بعد ازاں جیل کی کال کوٹھڑی سے مرض موت میں مبتلا ہونے کی صورت میں ہی باہر آتے ہیں۔ اس افسانے میں احمد ندیم قاسمی نے محبت کی بنیاد پر صنفی تصادم کو اجاگر کیا ہے۔ ذیلدار کی بیٹی جو رحمان کی محبت میں گرفتار ہے اپنی والد کا اس قدر ظلم سہ نہیں سکتی اور ذیلدار کے کہنے پر پکڑنے والے تھانے دار کے سامنے رحمان کے حق میں گواہی دیتے ہوئے صنفی تصادم کو جنم لینے کا نادر موقع فراہم کرتی ہے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> رحموں، حوالدار نے پھر پوچھا۔ بتادو شاید تم اس طرح رہا کر دیے جاؤ۔ تھانیدار صاحب۔ چھت پر سے کسی عورت کی آواز آئی، تمام نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں ذیلدار کی اکلوتی بیٹی سب عورتوں سے آگے بڑھ کر کھڑی تھی۔[2]

احمد ندیم قاسمی کے اس افسانے میں محبت کا جذبہ نسوانی کردار میں اتنی جرات اور بلند ہمتی پیدا کر دیتا ہے کہ وہ معاشرتی نظام کے خلاف آواز بلند کرنے سے نہیں کتراتی۔ یہی بلند ہمتی اور جرات و بہادری صنفی تصادم کا باعث بنتی ہے۔

چوپال کا پانچواں افسانہ ''ہرجائی'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں دیہاتی پس منظر میں محبت ہی کی خاطر صنفی تصادم کی عکاسی کی گئی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کے دوسرے افسانوی مجموعے بگولے کا بارھواں افسانہ ''پاؤں کا کانٹا'' ایک نفسیاتی و

جذباتی افسانہ ہے جس میں سوتیلی ماں کو بچے کی روح کا ہی نہیں جسم کا بھی قاتل دکھایا گیا ہے۔ سوتیلی ماں بیٹے کو ذہنی و جسمانی اذیت پہنچاتی ہے۔ چوں کہ باپ بھی بیٹے کو ہی ڈپٹتا ہے اس لیے بیٹا باپ سے شکایت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ ایک روز جب اس کا بیٹا سوتیلی ماں کے ہاتھوں بری طرح جھلستا ہے تب باپ کا دل نرم پڑتا ہے۔ اس موقع پر جب وہ غصے کی حالت میں بیوی کو پکارتا ہے تو اس کی بے حسی اس وقت بھی ختم نہیں ہوتی جس کی بدولت افسانے میں صنفی تصادم جنم لیتا ہے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> وہ گھی میں لقمہ بھگو کر بولی: بچے جلتے ہی رہتے ہیں اکثر، تم پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ اچھا ہو جائے گا کم بخت تم کیوں اپنی جان ہلکان کرتے ہو۔[۳]

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں سے متعلق ڈاکٹر سعادت سعید کی رائے ''سوتیلی ماں'' کے کردار کی نفسیاتی کیفیت کو ایک تقویت دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> احمد ندیم قاسمی کے افسانے ایک زندہ شعور کے حامل افسانہ نگار کے افسانے ہیں۔ انھوں نے معروضی اور سائنسی نقطہ نظر سے زندگی کے حقائق کا کچھ اس طور مطالعہ کیا ہے کہ فرد کے باطنی رجحانات۔ جذبے کے اسرار اور رومانوی رویے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے۔[۴]

احمد ندیم قاسمی کے چوتھے افسانوی مجموعے گرداب کا ساتواں افسانہ ''روشندانوں کے شیشے'' میں بھی محبت کی بنا پر صنفی تصادم کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس افسانے میں کالج میں پڑھنے والے نوجوانوں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ نصیرہ بڑے گھرانے کی بڑے باپ کی بیٹی ہے جو ناز و نعم میں پلی بڑھی ہے۔ جس کے پاس ہر آسائش موجود ہے، جب کہ دوسری جانب راشد ایک مزدور کا بیٹا ہے، جس نے غریبی میں ہی عمر بسر کی ہے۔ دونوں محبت کے جذبے میں بندھ جاتے ہیں۔ نصیرہ راشد کو ایک خط کے ذریعے پیغام بھیجتی ہے کہ وہ راشد کے گھر آ رہی ہے تو راشد اپنی غریبی میں رہتے ہوئے کمرے کو نصیرہ کے شایانِ شان کرنے کی بھدی سی کوشش میں سلیقے سے سجائے ہوئے اپنی غریبی پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ راشد نصیرہ سے اسٹیشن پر ملتا ہے تو محبت کی بقاء کی خاطر نصیرہ کے کہے گئے الفاظ صنفی تصادم کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ افسانے سے صنفی تصادم کا عکاس اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> راشد راشد! اور اس نے آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں ڈال دی ہیں اور دل میں جیسے

> کوئی دہکتا ہوا انگارہ کلبلا رہا ہے۔ میں نے مدھم آواز میں کہا! نصیرہ اترو گی نا! نصیرہ بے تاب ہو کر بولی۔ تمھارا یہ خیال غلط ہے۔ میں نے اس لیے تعلیم حاصل نہیں کی کہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاؤں۔[۵]

احمد ندیم قاسمی کے ساتویں افسانوی مجموعے آبلے کا پہلا افسانہ ''کفارہ'' میں بھی صنفی تصادم کو پیش کیا گیا ہے۔ پیرو، کموں سے محبت کرنے باوجود اس کے لیے کچھ نہیں کرتا بلکہ آرام سے نا صرف اس کی شادی طے کرواتا ہے بلکہ شادی کے تمام اخراجات بھی خود اٹھاتا ہے، لیکن کموں سے اس کی بزدلی برداشت نہیں ہوتی اور اپنی ماں کی فرماں بردار بیٹی جو کبھی ماں کے سامنے نہیں بولتی؛ پیرو کو سنانے کی خاطر اپنی ماں سے بھی زبان درازی کر جاتی ہے۔ افسانہ سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> بڑھیا نے اسے چمکارا پچکارا۔ اپنے مر جانے کی دھمکیاں دیں۔ اور ایک مرتبہ کہ ڈالا پیرو بیٹا ہم سب سے روٹھ کر چلا جائے گا ''چلا جائے'' بھرائی ہوئی مگر طعنوں اور شکووں سے لبریز آواز میں وہ گرجی۔[۶]

اس اقتباس میں لفظ ''گرجی'' اس کی تمام اندرونی کیفیات و خلفشار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ صنفی تصادم کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ محبت کا جذبہ اس کے اندر اس قدر ہمت اور جرات عطا کر دیتا ہے کہ وہ پیرو کو بزدل کہنے سے بھی گریز نہیں کرتی، کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ پیرو اس کے تمام الفاظ سن رہا ہے۔ مصنف خوب صورت انداز میں کموں کی حالت کو بیان کرتے ہوئے صنفی تصادم کی عکاسی کرتا ہے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> اور پھر ایک جذبے سے پلٹ کر اٹھ بیٹھی، بھیگے ہوئے چہرے پر بالوں کی لٹیں چمٹ گئی تھیں۔۔۔۔ چلا جائے جہاں جی چاہے مجھے کیوں ڈراتی ہو پیرو کے غصے سے میں جانتی ہوں اسے وہ بزدل ہے۔[۷]

اسی افسانوی مجموعے کے دوسرے افسانے ''ہیرو شیما سے پہلے، ہیرو شیما کے بعد'' میں بھی صنفی تصادم کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ عشق و محبت کی خوب صورتی، دلکش احساس اور مناظرِ فطرت سے قاری کو محظوظ کرنے کے علاوہ فسادات، جنگیں اور فاقہ کشی جیسی تلخ حقیقتوں پر دکھی نظر آتے ہیں، یعنی زندگی کو ہر رنگ ڈھنگ میں پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ خلیل الرحمٰن اعظمی اس افسانے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قاسمی کی افسانہ نگاری کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب انھوں نے معرکتہ الآرا افسانہ ''ہیروشیما سے پہلے، ہیروشیما کے بعد'' لکھا۔ دوسری جنگ عظیم پر شاید اتنا کامیاب افسانہ اردو میں کسی نے نہیں لکھا۔ اس افسانے میں بین الاقوامی شعور سے قطع نظر بے لاگ جارحیت اور حقیقت نگاری ہے۔ جو ان مسائل کی گہرائیوں میں لے جاتی ہے اور افسانہ اپنی حدود سے نکل کہ ایک وسیع مفہوم اختیار کر لیتا ہے۔[۸]

افسانے میں شمشیر خان ایک غریب کسان قرضہ چکانے کی خاطر بحالت مجبوری اپنی زندگی کی اکلوتی آس، اپنے بیٹے ''دلیر'' کو بھرتی کراتا ہے جس کی شادی کو ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے۔ بیٹے کے چلے جانے کے بعد جنگ کی خبریں، شمشیر خان کے غم کی عکاسی اور خطوط افسانے پر سوگواریت کی فضا قائم کر دیتے ہیں۔ اس افسانے میں 'دلیر' کی بیوی کی اداسی کی عکاسی کرتے ہوئے اس کے جذبات و احساسات اور حرکات و سکنات کے تحت صنفی تصادم کو اجاگر کرنے کی کاوش دکھائی دیتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

شاداں بیٹی۔ یہ بُرا شگون ہے، جواں مردوں کا کوئی وطن نہیں ہوتا، وہ عمر بھر نکھٹو بن کر گھر میں پڑے نہیں رہ سکتے، خدا کے لیے ہنس کھیل، مسکرا۔ سنتی ہے شاداں بیٹی؟ شاداں شمشیر کی طرف یوں دیکھتی ہے جیسے کَہ رہی ہو؛ ٹھیک ہے، ہنسنا کھیلنا بڑی اچھی باتیں ہیں، مگر کس سے ہنسوں؟ کس کے ساتھ کھیلوں؟ بوڑھے چچا تم کیا جانو۔ تم کیا جانو؟[۹]

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ایسے کردار بھی ہیں جو بے وفا ہیں، ایسے بھی جو جذبہ قربانی سے لبریز ہیں لیکن محبت کا جذبہ، تمام جذبات پر حاوی دکھائی دیتا ہے۔ ان کا بنیادی جذبہ محبت ہے جس کے آگے سارے جذبے اپنی ہار تسلیم کر لیتے ہیں۔ محبت کے جذبے سے گندھے ہوئے ان کے بیشتر کردار نڈر ہیں جو معاشرے سے ٹکرا جانے کی ہمت دکھاتے ہیں اور دوسرے لفظوں میں اگر انھیں باغی کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ طلوع و غروب کے 'دیباچے' میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

میں نے ان بے زبانوں کی نمائندگی کی ہے جن کی زندگیاں محبوس ہیں اور جن کے لبوں پر رواج اور قانون نے مہر لگا رکھی ہے۔ بلا شبہ زندگی کے ہر شعبے کی ترجمانی کا فرض ادیبوں پر عائد ہوتا ہے لیکن ان فرائض کی تقسیم کیوں نہ کر لی جائے۔ شہری شہروں کے متعلق لکھیں اور دیہاتی دیہات کے متعلق! ایک پنجابی اگر پنجاب میں رہتے ہوئے یوپی، بہار، بنگال یا دکن کے باشندوں کی زندگیوں کا جائزہ لینے لگے اور اگر ایک سرحد کے پٹھانوں کے

متعلق لکھنے بیٹھ جائے تو گو مقصد نیک ہے لیکن کامیابی موہوم !"[10]

احمد ندیم قاسمی کو دیہاتی ماحول، طرز زندگی وہاں کے لوگوں کے مسائل سے خاصی دلچسپی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اسے اپنے افسانوں میں خاص جگہ دیتے ہیں۔ اپنے افسانوں کے اس وصف سے وہ بخوبی واقف تھے جس کا اعتراف انھوں نے اپنے افسانوی مجموعے طلوع و غروب کے دیباچے میں کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

میں نے دیہاتی موضوع پر صرف اس لیے قلم اٹھایا کہ پنجاب کے دیہات کو صحیح رنگوں میں پیش کرنے والا مجھے کوئی نظر نہ آیا۔"

احمد ندیم قاسمی کے آٹھویں افسانوی مجموعے آس پاس کی بھی کچھ کہانیوں میں صنفی تصادم ایک نئے انداز میں اجاگر ہوتا ہے۔ ان کے بیشتر افسانوں میں دیسی رہن سہن، طبقاتی تضاد میں صنفی تصادم کو برتا گیا ہے۔ اس افسانوی مجموعے کے پہلے افسانے "اکیلی" میں طبقاتی تضاد کے تحت صنفی تصادم کی نمائندگی کی گئی ہے۔ 'خانی' ایک نوجوان لڑکی ہے جو اپنے والدین کے سائے سے محروم، اپنے چھوٹے بھائی 'جمو' کے ساتھ اکیلی رہتی ہے اور اپنے جذبات و احساسات پر سماجی و اخلاقی ذمہ داریوں کو مقدم رکھتی ہے۔ 'خانی' اپنے چھوٹے بھائی کی خاطر نمبر دار کے بیٹے 'اسلم' پر چلّانے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

نمبر دار کا بیٹا اسلم مجمع میں کھڑا مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا، یعنی حد ہو گئی، یہ لڑکا بیروں اور گونگیروں سے جیبیں ٹھونسے آ رہا تھا۔ میں نے یونہی اس سے چند بیر مانگ لیے تو کہنے لگا تم میرے کیا لگتے ہو۔۔۔۔ جمو۔۔۔، خانی منڈیر پر سے چلائی، اور جیسے کسی برقی لہر نے سارے مجمع کے سروں کو پیچھے جھٹک دیا: "پھینک دے بیر اور گونگیر۔۔۔۔ معلوم نہیں تجھے، ملک صاحب ان کا اچار ڈالا کرتے ہیں۔"[12]

ایک سچا فن کار اپنے عہد کے مسائل کی پیش کش میں ہم عصر سماجی، معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی عناصر کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی فنکار کے فن پاروں میں ہم عصر سماجی، سیاسی مسائل کی کامیاب عکاسی تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب فن کار اپنے فن کا رشتہ عصری حسیت سے جوڑتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے چوں کہ اپنے افسانوں کے موضوعات میں اپنے عہد کی عکاسی کرتے ہوئے اس عہد کے مسائل کی پیش کش کی ہے، اسی وجہ سے ان کے ہاں صنفی تصادم اپنی مختلف جہات میں سامنے آتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی نے جہاں سماج کے دیگر مسائل کو پیش کیا ہے، وہاں بے جوڑ شادی کا مسئلہ، جہیز کا

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

مسئلہ اور زبردستی کی شادی پھر والدین کی جانب سے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سبب سرانجام پانے والی شادی کو بھی انھوں نے بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔ ''کرن'' ایک ایسا ہی افسانہ ہے۔ اپنے والدین کی لاڈلی اور بے حد خوب صورت لڑکی جس کی نسبت بچپن سے شہباز سے طے ہوتی ہے اس کے بے جا لاڈ اٹھانے والا باپ اس کی شادی طے کرتے ہوئے اس سے اس کی رضامندی جاننا ضروری نہیں سمجھتا۔ شمسو والدین کے سامنے تو کچھ نہیں کہتی لیکن شہباز کو شادی سے انکار کرنے کے لیے رات کے اندھیرے میں اس کے گھر پہنچ جاتی ہے۔ اس گھر کی طرف جاتے ہوئے اس کے جذبات واحساسات کو جس انداز میں پیش کیا ہے، اس سے صنفی تصادم کی جو مثال سامنے آتی ہے؛ ملاحظہ کیجیے:

> ایک مرتبہ تو اس نے اس خواب آلود رات میں اپنا سایہ تک دیکھ لیا اور وہ سوچنے لگی کہ اگر کسی کو اس سفر کا علم ہو جائے، اگر کوئی دیکھ لے کہ شمسو رات کو اپنے ہونے والے شوہر کے دروازے کے قریب کھڑی پائی گئی، تو کیا ہوگا؟ کیا ہوگا؟ کچھ نہیں ہوگا۔ بس یہی ہوگا وہ بدنام ہو جائے گی، ماں باپ اس سے بگڑ جائیں گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شہباز اس پر شبہ کرنے لگے گا اور وہ چند روز ایک آوارہ لڑکی کی طرح ہنس کھیل کر اپنے آپ کو پھر اس مقام تک لے آئے گی، جہاں سے اسے ساری دنیا ایک حقیر کھلونا دکھائی دیتی ہے۔[۱۳]

شادی کو توڑنے کی خاطر شمسو اپنے کردار کو جو عورت کا سب سے قیمتی زیور ہے اپنی عزت کو جس کی بدولت عورت حسین دکھائی دیتی ہے، خود کو نوچ پھینکنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ جذبات واحساسات کا یہی وہ مقام ہے جو اس افسانے میں صنفی تصادم کو جنم دیتا ہے۔

اولاد انسان کے لیے وہ قیمتی شے ہے جس کی خاطر انسان خود کو بھلا بیٹھتا ہے۔ اولاد کی آسائشات کے لیے اپنا آرام وسکون برباد کر دیتا ہے۔ افسانہ ''ارتقا'' ایسا افسانہ ہے جس میں ایک بوڑھے کو بڑھاپے میں اولاد نصیب ہوتی ہے۔ بوڑھا اس کے چہرے پر ایک تھپڑ بھی برداشت نہیں کر سکتا اور جب بڑھیا سے ایک تھپڑ لگ جاتا ہے تو اس تھپڑ کے سبب بڑے خوب صورت انداز میں صنفی تصادم جنم لیتا دکھائی دیتا ہے۔ افسانے سے مثال ملاحظہ کیجیے:

> بڑھیا کی پکار اور چاند کے رونے کی آواز سن کر بوڑھا لپکا۔ چاند کو گلے لگا لیا اور پیار سے پوچھا کیا ہوا؟ کیا ہوا میرے چاند کو؟ میں نے چاند کو چانٹا لگا دیا۔ غلطی سے۔ بڑھیا

بھوسیلے سر کو سوکھے سڑے گھٹنوں کے شکنجے نکال کر باہیں پھیلا کر چاند کی طرف بڑھی اور اسے چوم لینا چاہا مگر بوڑھا پیچھے ہٹ گیا اور بولا نہیں چومنے دوں گا۔[۱۴]

ہر حساس فن کار کی طرح تقسیم کا واقعہ احمد ندیم قاسمی کے لیے بھی بہت سفاک ثابت ہوا اور یوں انسانی عظمت کی پامالی، ہجرت کی سنگینی اور انسانی جانوں کے ضیاع نے انھیں بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

انسانی دل کی دھڑکن دنیا کے ہر حصے میں یکساں ہے۔ دکھ سکھ کا قانون ہندوستان کے دیگر حصوں اور دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی وہی ہے جو ان دیہات میں رائج ہے۔[۱۵]

احمد ندیم قاسمی نے دَر و دیوار کے افسانہ ''نیا فرہاد'' میں ۱۹۴۷ء کے ہولناک فسادات، تقسیم کا المناک حادثہ، اس کا کرب، لاکھوں انسانوں کے اپنی جڑوں سے کٹنے کا درد، فسادات کی خون ریزی، فرقہ وارانہ منافرت، انسان کی بہیمیت کو موضوع قلم بنایا ہے۔ اسی خون ریزی اور فرقہ وارانہ منافرت سے جنم لینے والے صنفی تصادم کی بہترین تصویر کشی اس افسانے میں نظر آتی ہے۔ 'شانتی' وہ لڑکی ہے جس نے دو سال تک جعفر کو اپنے راستے میں بیٹھے ہوئے دیکھا مگر کبھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی مگر اپنے پیاروں کو لٹتا، کٹتا ہوئے نہیں دیکھ سکتی اور جعفر سے اس عمل (فسادات، قتل و غارت گری) کی وجہ جاننے کے لیے کب سے بیٹھی اس کی راہ تکتی رہتی ہے۔ افسانے سے مثال ملاحظہ کیجیے:

شانتی نے ایک بار کہیں پیچھے دیکھا اور بولی: مجھے بھی ایک ماں نے جنا ہے جعفر اور میں بھی ایک باپ کی بیٹی ہوں، میرے بھی دو ننھے ننھے بھائی اور ایک ذرا سی بہن ہے، میں بھی انسان ہوں، ۔ وہ سب اسباب کی کوٹھڑی میں ٹرنکوں کے پیچھے دبکے پڑے ہیں اور شاید کب کے مر بھی چکے ہوں اور تمھارے بھائی ہمارا دروازہ توڑ رہے ہیں۔ ۔ ۔ کیا مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں وہ بھی تو مسلمان ہی تھے جیہوں نے ہمارے گروجہ کی آمد پر دھرمشالہ کے لیے اپنی مسجد سے لالٹین بھیج دی تھی اور تم بھی مسلمان ہو جو سکھوں اور ہندوؤں پر صرف اس لیے چڑھ دوڑے ہو کہ وہ تمھارے خدا کو کسی دوسرے روپ میں دیکھتے ہیں۔[۱۶]

''کہانی لکھی جا رہی ہے'' ایک ایسا افسانہ ہے جس میں اجتماعی سطح پر عوامی بیداری اور تبدیلی کی

آرزو مندی سے بڑھ کر انقلاب کے آثار واضح انداز میں ملتے ہیں۔ ''فاطمہ'' جاگیر داروں پر مختلف انداز میں طنز کے تیر برساتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جن کی نا صرف زمین پر جاگیر دار قبضہ جما کر بیٹھا ہے بلکہ انھیں ان کے گاؤں سے بھی نکال دیتا ہے۔ ان کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ اپنی محنت کا صلہ مانگتا ہے۔ راستے میں ایک مسافر ان سے سوال کرتا ہے کہ انھیں اب کہاں جانا ہے؟ اس صورتِ حال میں جنم لینے والے صنفی تصادم کی مثال افسانے سے ملاحظہ کیجیے:

> تمھیں کہاں جانا ہے؟ مسافر اپنی بات پر بدستور قائم تھا فاطمہ میری طرف دیکھنے لگی۔۔۔ وہ نہایت سختی سے بولی: بتاتے کیوں نہیں صاف صاف کیا تم چوری کرکے آرہے ہو؟ کیا کوئی ڈاکہ ڈالا ہے تم نے؟۔۔۔۔ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ جاگیر داروں نے تم سے زمین چھین لی ہے اور گاؤں سے نکال دیا ہے اور اب ہم۔ اب ہم جانے کہاں جا رہے ہیں۔[۱۷]

سناٹا کے افسانوں میں احمد ندیم قاسمی نے سماجی اور طبقاتی شعور کے ساتھ ساتھ نفسیاتی شعور کو بھی اہمیت دی ہے اس مجموعہ کا پہلا افسانہ ''بڑی سرکار کے نام'' میں ہجرت کے بعد معاشی اور نفسیاتی طور پر شکست توقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک معمولی قصبے میں ایک مہاجر بیوہ سادگی کے ساتھ پاکستان کی بڑی سرکار کو خط لکھوانے آتی ہے، بہت سی تلخ باتیں لکھوانے کے ساتھ ساتھ بہت سے تلخ حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے صنفی تصادم کی ایک فضا قائم کر جاتی ہے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> لکھو کہ بڑے سرکار جی صاحب مجھ نگوڑ ماری کو تو یہاں اتنی سی بھی پناہ نہ ملی جتنی اس ہندو کی رسوئی نے دی تھی۔ مجھ جنم جنم کی بدنصیب کو یہاں چند دور کے رشتہ داروں کے ساتھ بھیج دیا گیا اور رشتہ دار مجھے یہاں چھوڑ کر کسی اور ضلع میں چلے گئے۔[۱۸]

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں صنفی تصادم کو اجاگر کرتے ہوئے بعض جگہ عورت میں مرد سے بھی زیادہ حوصلہ، ہمت اور جرات کا مادہ دکھائی دیتا ہے۔ ''رئیس خانہ'' میں اس حقیقت سے پردہ چاک کیا گیا ہے کہ کس طرح غربت، ضمیر اور عزت کی دیواروں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ فضلو اپنی بیوی مریال کی طرف کسی کی اٹھی ہوئی آنکھ برداشت نہیں کرتا، خود مریال بھی ایک حوصلہ و ہمت والی خاتون ہے۔ کمپونڈر، مریال کو آنکھ مارتا ہے تو مریال اس کی جس طرح عزت افزائی کرتی ہے اس سے جنم لینے والا صنفی تصادم ایک نئی مثال رقم کرتا ہے۔ افسانے سے مثال ملاحظہ ہو:

> فضلو نے لپک کر کونے میں سے کلھاڑا اٹھایا اور بولا: پچھلے سال بھی تم نے مجھے شیرے کا واسطہ دے کر روک دیا تھا مگر آج میں نہیں مانوں گا۔۔۔ فضلو کی گرج کے جواب میں مریاں مسکراتی ہوئی آگے بڑھی اور بولی: میں بھی چپ نہیں رہی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ بابو! ذرا اپنی ماں کو بھی آنکھ مار لی ہوتی۔[۱۹]

۱۹۴۷ء کے فسادات پر لکھے گے افسانوں میں سے ''پرمیشر سنگھ'' ایسا افسانہ ہے جس میں انسان دوست لائن بڑے موٴثر انداز میں بیان کی گئی ہے کہ پانچ سالہ اختر اپنے گھر والوں سے بچھڑ جاتا ہے۔ سرحد پر سکھوں کا ایک گروہ اسے مارنے لگتا ہے مگر پرمیشر سنگھ اسے بچا کر اپنا بیٹا بنا کر گھر لے جاتا ہے مگر اس کی بیوی اور بیٹی کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا۔ اختر اور پرمیشر سنگھ کی بیوی اور بیٹی کے درمیان صنفی تصادم کی فضا قائم کی گئی ہے کہ وہ اسے گھر رکھنے پر راضی نہیں ہوتیں۔ افسانے سے مثال ملاحظہ ہو:

> اس کا نام اختر ہے اختر، بیوی کے تیور بدل گئے، تم اسے اختر سنگھ کہہ لینا۔ پرمیشر سنگھ نے وضاحت کی، پر یہ ہے کس کا؟ بیوی نے مزید وضاحت چاہی، کس کا ہے! واہگورو جی کا ہے، ہمارا اپنا ہے۔۔۔۔ جہاں سے اٹھا لائے ہو، وہیں واپس ڈال آؤ، خبردار جو اس نے میرے چوکے میں پاؤں رکھا۔[۲۰]

گھر سے گھر تک کا پانچواں افسانہ ''موج خون'' نفسی معنویت کا حامل افسانہ ہے۔ اس افسانے میں احمد ندیم قاسمی نے 'راحت علی' جیسے کردار کے ذریعے اس نفسیاتی کیفیت کا تذکرہ کیا ہے کہ شادی سے پہلے وہ عورت جو دنیا کی خوب صورت ترین عورت ہوتی ہے، شادی کے بعد ایک معمولی اور عام عورت بن جاتی ہے۔ بیوی کے علاوہ ہر عورت خوب صورت لگنے لگتی ہے۔ راحت علی بھی ایسا ہی کردار ہے جو اپنی پسند سے ساجدہ سے شادی کرتا ہے مگر مکلاوے کی رسم پر جب سسرال جاتا ہے تو اسے اس کی سہیلی زرینہ میں وہی کشش محسوس ہوتی ہے جو شادی سے پہلے ساجدہ کے لیے محسوس کرتا تھا۔ ایک ماہ بعد وہ زرینہ سے شادی کر لیتا ہے مگر جلد ہی اس سے بھی اکتا جاتا ہے۔ اپنے شوہر کی اس بے وفائی پر ساجدہ کے جذبات و احساسات کی عکاسی کرتے ہوئے احمد ندیم قاسمی نے صنفی تصادم کی بھرپور فضا قائم کی ہے۔ افسانے سے مثال ملاحظہ کیجیے:

> اس نے دونوں ہاتھوں سے راحت علی کے منہ پر تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی۔ راحت علی

بازو لٹکائے چپ چاپ کھڑا رہا جیسے ساجدہ کی چوڑیوں کے جھناکے سن رہا ہو، پھر اچانک اس کے جثّے میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے ساجدہ کی چوڑیاں بھری کلائی دبوچ لی۔[۲۱]

معاشرے میں جہاں مرد کے ہاتھوں عورت کے استحصال کے سبب صنفی تصادم جنم لیتا رہا ہے اور لیتا رہے گا، بالکل اسی طرح عورت کے ہاتھوں مرد کے استحصال کے سبب بھی صنفی تصادم جنم لیتا چلا آ رہا ہے اور لیتا رہے گا۔

گھر سے گھر تک کا آٹھواں افسانہ ''فالتو'' بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ جہاں بڑے گھر کی بہو لانے کے بعد بیٹے کے بدلتے ہوئے تیور ماں باپ کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ بوڑھے والدین کھیتوں میں جا کر رہائش اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک صبح اسے ماں کے انتقال کی خبر ملتی ہے۔ ماں کی میت دفن کرنے پر اسے والدین کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ بوڑھے باپ سے معافی مانگنے کے بعد اسے اپنے ساتھ گھر رکھ لیتا ہے، مگر اس کی بیوی کو یہ بوڑھا وجود برداشت نہیں ہوتا۔ بیٹے کی غیر موجودگی میں بہو کا بوڑھے سسر سے گستاخانہ رویہ صنفی تصادم کی فضا قائم کرتا ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں ہمارے ارد گرد بکھری نظر آتی ہیں۔ افسانے سے مثال ملاحظہ ہو:

خاتون چولھانے میں بیٹھی برتن دھو رہی تھی، جب وہ پکارا: بیٹی! حقے کے لیے آگ تو اٹھا لا، ٹھنڈا ہونے لگا ہے۔ میں برتن دھو رہی ہوں۔ خاتون بولی۔ چمٹے سے اٹھا لا، پیر بخش نے کہا، برتن زور سے بجے جیسے ایک دوسرے میں دے مارے گئے ہوں،۔۔۔ خاتون نے آگ کو چمٹے سمیت پیر بخش کے جوتوں کے پاس پھینک دیا۔[۲۲]

احمد ندیم قاسمی لوگوں کی نفسیاتی گرہوں کا باعث بننے والے محرکات کو اس انداز میں افسانے کا حصہ بناتے ہیں کہ داخلی و خارجی کیفیات میں نفسیاتی اُلجھنوں کی شدت بڑی پر تاثر ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں کہ:۔

ایک فن کار کی حیثیت سے ندیم کی بڑائی اور کمال کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس کے بیشتر افسانوں کی بنیاد کوئی نفسیاتی گرہ ہوتی ہے، جسے وہ انسانی سیرت کے نہاں خانوں میں بڑی ہنر مندی اور ژرف بینی سے دیکھتا، اس کا تجزیہ کرتا اور آخر میں کھولتا ہے۔ لیکن اس نفسیاتی حقیقت کے گرد جو عام ذہنی اور سماجی فضا ہوتی ہے، اس نفسیاتی گرہ کے کھلنے سے

اکثر اس کا طلسم بھی کھل جاتا ہے۔ یہی ندیم کے فن کا منفرد انداز ہے جو اسے دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔[۲۳]

مجموعی طور پر ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے افسانوں کے متنوع موضوعات میں قریباً زندگی کے تمام پہلوؤں میں صنفی تصادم کو بڑے مؤثر انداز میں برتا گیا ہے۔ کہیں پریشان حال کسان کی آواز میں، کہیں جاگیردارانہ نظام کے خلاف نعرے کی صورت میں، کہیں انسان کے جذبات و احساسات اور کیفیات کی عکاسی کے لیے، صنفی تصادم کو بہ طور آلۂ کار استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ضعیف الاعتقادی، توہمات پرستی، اندھی عقیدت کو بھی موضوعِ قلم بنایا گیا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جن پر ان کے عہد کے دیگر افسانہ نگاروں کی نظر کم پہنچی۔ غرض زندگی کے ہر رنگ و روپ میں صنفی تصادم کو بڑی مہارت سے لفظوں کے قالب میں ڈھالا ہے۔ علاوہ ازیں جنگ اور فسادات جیسے موضوعات میں بھی کبھی ان کے پس منظر میں تو کبھی نتائج کی صورت میں صنفی تصادم کو مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں زیادہ تر صنفی تصادم کی وجہ عورت کا استحصال، اس کی حق تلفی کی بدولت جنم لیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایسے افسانوں کی شرح کم ہے جن میں مرد کے حقوق کی پامالی، اس کی عزت نفس کو گزند پہنچاتے ہوئے صنفی تصادم اجاگر ہوتا ہو۔ میدانِ ادب میں ان کی حیثیت مسلمہ کا ایک راز اُن کے افسانوں کی پُر اسرار اور تحیر و حیرانی کی فضا ہے کہ جوں جوں افسانہ آگے بڑھتا جاتا ہے، قاری کی حیرت میں اضافے کے ساتھ ساتھ تجسّس بھی پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، جس کی بدولت قاری آخر تک افسانے سے جڑا رہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ افشاں ملک، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی (آثار و افکار) (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء)، ۱۱۴۔

۲۔ احمد ندیم قاسمی، چوپال (لاہور: دارالاشاعت، پنجاب، ۱۹۳۹ء)، ۳۵۔

۳۔ احمد ندیم قاسمی، بگولے (لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۴۱ء)، ۱۷۲۔

۴۔ ڈاکٹر سعادت سعید، ''سپاٹ حقیقت نگاری یا جدلیاتی اشارے''، مشمولہ: راوی، ۱۰۰۔

۵۔ احمد ندیم قاسمی، گرداب (حیدرآباد (دکن) : ادارہ اشاعت اردو، ۱۹۴۳ء)، ۱۹۶۔

۶۔ احمد ندیم قاسمی، آبلے (لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۴ء)، ۷۵۔

۷۔ ایضاً، ۷۵-۷۶۔
۸۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۲ء)، ۲۰۰۔
۹۔ احمد ندیم قاسمی، آبلے، ۱۱۔
۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، طلوع و غروب (لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۶۲ء)، ۶۔
۱۱۔ ایضاً، ۷۔
۱۲۔ احمد ندیم قاسمی، آس پاس (لاہور: اساطیر پبلشرز، ۱۹۹۵ء)، ۲۸۔
۱۳۔ ایضاً، ۶۹۔
۱۴۔ ایضاً، ۱۰۲۔
۱۵۔ نند کشور وکرم (مرتب)، احمد ندیم قاسمی (آثار و افکار) (دہلی: عالمی اردو نمبر، ۱۹۹۶ء)، ۱۲۸۔
۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، دَر و دیوار (لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۴۸ء)، ۲۸۔
۱۷۔ ایضاً، ۱۱۸۔
۱۸۔ ایضاً، ۱۲۰۔
۱۹۔ احمد ندیم قاسمی، سناٹا (لاہور: اساطیر پبلشرز، ۱۹۹۱ء)، ۳۱۔
۲۰۔ احمد ندیم قاسمی، بازارِ حیات (لاہور: مکتبہ اساطیر، ۱۹۹۵ء)، ۱۱-۱۲۔
۲۱۔ احمد ندیم قاسمی، گھر سے گھر تک (راول پنڈی: راول کتاب گھر، ۱۹۶۳ء)، ۱۶۰۔
۲۲۔ ایضاً، ۱۶۸۔
۲۳۔ نند کشور وکرم (مرتب)، احمد ندیم قاسمی (آثار و افکار)، ۹۸۔